نہیں نہیں! میں نے کہنا چاہا یہ زہریلا دھڑکتا گودا، یہ جڑوں بھرا میرے اندر، ہر مقام پر، میرے ہر مسام پر اور دنیا کے ہر لفظ پر حاوی ہے۔ میں نے کہنا چاہا۔ مگر مجھے یاد نہیں میں نے کیا کہا۔ کچھ کہا بھی یا نہیں کہ آواز مر چکی تھی۔ اور یہ اب مجھے لے جا رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں یہ مجھے لے جا رہے ہیں۔ کہیں باہر۔ ویرانے میں اندھیرے اور گھنے سناٹے میں۔ یہاں میرے ہزار پائے اس ـــــ پہلی اور آخری آواز، پہلے اور آخری لفظ کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ اندھیرے اور گھنے سناٹے میں۔۔۔

انور سجاد

سنڈریلا

کبھی وہ سوچتی : اس کی عمر ایک لمحہ ہے، کبھی وہ سوچتی : اس کی عمر سو سال ہے، کبھی وہ سوچتی : وہ عمر کی قید میں نہیں، یا شاید ابھی اسے جنم لینا ہے۔

وہ اس کمرے میں سدا سے قید تھی اور اس امید میں تھی کہ کوئی آئے اور اسے اس بطن سے جنوائے۔ پھر وہ سوچتی : کوئی کب اسے جنوائے گا، اسے خود ہی کوئی حیلہ کرنا ہوگا، اس بطن سے مر کے نکلے تو کیا نکلے! وہ چپکے سے دروازہ کھول کر باہر دیکھتی۔ باہر دروازے کے سامنے وہ بھاری بھرکم خونی کتا زبان نکالے ہانپتا ہوا وحشی مکار نظروں سے دیکھتا؛ جو ازل سے وہاں کھڑا تھا۔ وہ کتے کو پچکارنے کی کوشش کرتی، کتا خونخواری سے بھونکتا، قدم اٹھاتا، وہ پچھلے پیر پلٹ کر جھٹ سے دروازہ بند کر دیتی۔ کتے کے بھونکنے سے ماں کو پتہ چل جاتا کہ اس نے پھر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ مع اپنی بیٹیوں کے آتی، کتے کو تھپکی دیتی اور کمرے میں داخل ہو کر بغیر کچھ کہے سنے اس کی خوب پٹائی کرتی۔ جاتے ہوئے اس کی بہنیں کئی گز الجھی ہوئی اون اس کے سامنے ڈال دیتیں اور ماں غراتی کہ جب تک اون کی گچھلکیں نہیں کھلتیں اسے کھانا نہیں ملے گا۔ اس کی آنکھوں کے تمام آنسو خشک ہو جاتے۔ وہ اون سلجھانے لگتی اور کھڑکی سے باہر کھلے آسمان کی طرف دیکھنے لگتی۔

اس کی ماں سوتیلی تھی اور بہنیں بھی سوتیلی۔

اس کی ماں اس کے پیدا ہوتے ہی مر گئی تھی اور اس کا باپ اس کی پیدائش سے ایک سال بعد۔ اس نے اپنے سگے ماں باپ کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔ اس کا تصور بہت محدود تھا۔ اس کی کائنات یہی کمرہ تھی جس میں اس نے آنکھ کھولی تھی۔ بچپن میں جو عورت مسکرا کے دیکھتی تھی، اس کی ماں تھی، جو شخص اس کے سر پر ہاتھ رکھتا تھا، اس کا باپ تھا۔ پھر یہ سب مسکراہٹیں اور پُر شفقت ہاتھ سمٹ سمٹا کر سوتیلی ماں، بہنوں اور خونخوار کتے کے وجود میں غائب ہو گئے تھے۔

اس نے ایک دو مرتبہ کمرے کی کھڑکی سے بھی بھاگنے کی کوشش کی تھی، پر جانے اس بیری کتے کو کیسے خبر ہو جاتی، کہ جونہی وہ کھڑکی کی دہلیز پر پیر رکھتی وہ کتا باہر، کھڑکی کے نیچے، زبان نکالے وارننگ کی نظروں سے کھڑا ہانپ رہا ہوتا۔ وہ بے بس ہو کر پھر کمرے میں اتر آتی اور گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگتی۔ کبھی کبھی کھڑکی سے ایک کنکر آ کے پیروں میں گرتا۔ وہ اپنے میلے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھتی، سینے میں اٹھتے طوفان کا گلا گھونٹتی، وہ کنکر اٹھاتی، کونے میں پڑے اسی قسم کے بہت سے کنکروں میں رکھ دیتی اور سوچتی:

نہیں، میں کھڑکی میں نہیں جاؤں گی۔

نہ چاہنے کے باوجود وہ دیوار کی اوٹ میں ہو کر کھڑکی سے، سڑک کے پار، سبز درخت کے نیچے کھڑے اس دیوانے کو دیکھتی جو سرخ چادر اوڑھے، ٹکٹکی لگائے اس کھڑکی کی طرف دیکھتا مسکراتا رہتا تھا۔

یہ سرخ چادر والا دیوانہ بھی عجیب شخص تھا۔ گنجا سر چھوٹی چھوٹی آنکھیں، چھدری ڈاڑھی، ناٹا قد۔ سبز درخت کے نیچے گولڈ مہر کا بہت بڑا پھول لگتا تھا۔ اس علاقے کے لمبے تڑنگے لڑکے زلفیں بکھرائے، کمر سے گرتی پتلونیں پہنے، کوکا کولا پیتے ہوئے اسے چھیڑتے، آوازے کستے، پتھر مارتے لیکن یہ دیوانہ بس مسکراتا رہتا تھا۔ لڑکے خود بھی ہار کر چلے جاتے۔ لیکن کبھی وہ بہت تنگ آ جاتا تو زخمی شیر اس زور سے نعرہ لگاتا کہ زمین و آسمان دہل جاتے اور شرارتی لڑکے اپنی کوکا کولا وہیں چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ پھر وہ دیوانہ فلک شگاف آواز میں گیت گاتا، وہاں کے ننگ دھڑنگ پھولے پیٹ والے بچوں کو جمع کرتا اور کمرے سے بندھے تھیلے سے ریوڑیاں اور مٹھائیاں نکال کے بانٹنے لگتا۔

وہ اپنے ہونٹوں کی پپڑیوں پر خشک زبان پھیرتی سوچنے لگتی: یہ خود پتھروں کا شکار ہے، میری مدد کیسے کر سکتا ہے!

یہ دیوانہ بھی سدا سے وہیں تھا اور اس کی زندگی کی حقیقتوں کا ایک حصہ تھا۔ اسے اس کے علاوہ اور کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ دیوانہ ہے، لڑکوں سے پتھر کھا کے بچوں میں ریوڑیاں تقسیم کرتا ہے۔ اس کی آواز بے حد سریلی ہے، دہاڑ سو شیروں جتنی۔ اور جب اس کے چاروں طرف تاریکیاں چھا جاتی ہیں تو ایک ٹمٹماتا ہوا کنکر اس کے پیروں میں آ گرتا ہے۔ وہ سینے میں اٹھتے طوفان کا گلا گھونٹ دیتی ہے: نہیں نہیں، میں کھڑکی میں نہیں جاؤں گی، وہ مجھے اپنے پاس بلائے گا۔ میں کھڑکی سے نیچے پیر رکھوں گی تو خونخوار کتا میری تکا بوٹی کر دے گا۔ لیکن یہ خود کھڑکی پھلانگ کے یہاں کیوں نہیں آ جاتا؟ اسے کیا پتہ میں کس حال میں ہوں۔ نہیں، اسے مجھ میں اتنی دلچسپی نہیں یا وہ یہ چاہتا ہے کہ میں خود ہمت کروں۔ لیکن اگر کسی طریقے سے میں اس تک پہنچ بھی جاؤں تو کیا فرق پڑے گا؟ دیوانہ ہے، فقیر ہے، مجھے میری ماں بہنوں ایسے کپڑے کہاں سے لا کر دے گا؟ مجھے ریوڑیاں اچھی نہیں لگتیں۔ مگر یہ ہے کون اور سدا ٹکٹکی لگائے کھڑکی کی طرف کیوں دیکھتا رہتا ہے وہ چاہتی بھی تو کچھ نہیں جان سکتی تھی، وہ چاہتی بھی تو اسے کچھ بتا نہیں سکتی تھی کیونکہ اس کی ماں سوتیلی تھی، بہنیں سوتیلی تھیں اور وہاں سے نکلنے کے ہر راستے پر خوفناک کتے کا پہرہ تھا۔ اس کتے سے اس کی جان جاتی تھی۔ جب بھی وہ چوری چھپے کچھ کھانے لگتی یا وہ کہیں سے آن موجود ہوتا، جب وہ اپنی بہنوں کے کپڑے چرا کر پہننے کی خواہش کرتی تو اس کتے کا تنفس اس کی ہر خواہش پر چھا جاتا، ہر قسم کی قید سے فرار کے ہر رستے پر وہ زبان نکالے ہانپتا ہوا وحشی، مکار نظروں سے دیکھتا کھڑا ہوتا۔

اس کی ماں اور بہنیں ہر وقت زرق برق پوشاک پہنے رہتی تھیں۔ اکثر ان کے گھر مہمان آتے رہتے تھے۔ ہر رات وہ خود کہیں نہ کہیں دعوت پر چلی جاتیں۔ اسے کسی سے نہ ملنے دیا جاتا۔ مہمانوں کے آنے سے پہلے اسے سارے گھر کو شیشے کی طرح چمکانا پڑتا۔ اس کی ماں اور بہنیں بننے سنورنے میں مصروف ہوتیں، جب گھر میں مہمانوں کے قہقہے گونجنے لگتے تو وہ باورچی خانے میں بند ہو کر برتن دھونے لگتی۔ رات کو جب وہ چلی جاتیں تو یہ تھکی ٹوٹی اپنے کمرے میں آ جاتی، تنہا بیٹھ کر الجھی اون کو سلجھانے لگتی اور نہ چاہنے کے باوجود کبھی کبھی کنکر کا انتظار کرنے لگتی۔

ازل سے اس کی یہی زندگی تھی۔

پھر ایک رات اس کی ماں اور بہنیں حسب معمول کسی دعوت پر گئی تھیں اور وہ اپنے کمرے میں بیٹھی دل بہلانے کے لیے ان کنکروں کو گن رہی تھی تو اس کا نیم روشن کمرہ یکایک جگمگا اٹھا۔ اس نے چونک کر کھڑکی کی طرف دیکھا، بہت تیز روشنی تھی۔ باہر کار کے انجن کی آواز آ رہی

تھی۔ نہیں وہ نہیں ہو سکتا۔ وہ گھٹنوں بجتے لڑکھڑاتے دل کو سنبھالتی کھڑکی کے پاس گئی۔ اوٹ سے دیکھا: ایک شاندار لمبی سیاہ کار کھڑی تھی۔ ایک خوبرو نوجوان سیاہ سوٹ پہنے اترا اور بوٹائی کو درست کرتا اس کی کھڑکی کے پاس قریب آگیا۔

—— تم ہو؟ اس نے سرگوشی میں کہا۔

—— تم آگئے، تم آگئے۔ مجھے ازل سے تمھارا انتظار تھا۔

اس نے دیوار کے ساتھ سر لگا کے آنکھیں موند لیں۔ پھر ایک دم گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا: کتا کہیں نہیں تھا۔

—— تم ہو؟

—— ہاں! لفظ اس کی زبان سے پھسل گیا۔

—— گڈ! وہ کھڑکی پھلانگ کے اندر آگیا۔

—— نہیں نہیں تم چلے جاؤ یہاں سے۔ میری ماں سوتیلی ہے۔

—— گھبراؤ نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ وہ یہاں نہیں آئے گی۔ لو یہ پہن کر دکھاؤ۔

نوجوان نے اپنی جیب سے برا خوبصورت جوتا نکالا جس میں ہیرے جڑے تھے۔

—— پہنو۔ نوجوان کی آواز میں تحکم تھا۔ وہ مفلوج سی ہو گئی اس نے آواز کے سحر کے زیرِ اثر جوتا پہن لیا۔

—— بالکل فٹ ہے، تمھارا ہی ہے۔

—— میرا؟

—— ہاں تمھارا۔ تم رات شہزادے کی دعوت سے بھاگتے وقت چھوڑ آئی تھیں۔

—— میں؟

—— ہاں تمھیں یاد نہیں ایک پری تمھیں ہمارے شہزادے کے محل میں لے گئی تھی اور تم نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ ---

—— لیکن وہ تو خواب تھا۔

—— وہ خواب تھا یا نہیں تھا، مجھے تاویلیں پیش کرنے کا حکم نہیں۔ چلو۔ شہزادہ تمھارے انتظار میں بے قرار ہے۔ چلو۔

اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ آخر ہزار سال بعد وہ دن آ ہی گیا کہ اس کی نجات ہو گئی اور

وہ بھی اتنے شاندار طریقے سے شہزادے کے ہاتھوں۔ اس کی ماں اور بہنوں کو پتہ چلا تو وہ حسد کی آگ میں جل جل کر مر جائیں گی۔ پھر بھی اس نے انجانے خوف سے کہا: لیکن

—— لیکن ویکن کچھ نہیں۔ شہزادہ تمھیں اس قید سے نجات دلا کر رہے گا۔ پھر تم ساری عمر اس شاندار محل میں رہو گی جہاں ---

اس نوجوان نے اس کی سامنے جنت تخلیق کی۔

—— اب چلو۔

اس نے اپنے میلے کچیلے کپڑوں پر نظر ڈالی اور نوجوان بھانپ گیا۔

—— اس کی فکر نہ کرو۔ کار میں شہزادے کا بھیجا ہوا لباس رکھا ہے۔

—— مگر وہ کتا۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔

نوجوان نے ہنس کر کھڑکی سے باہر چھلانگ لگائی اور اپنے پیروں کی طرف اشارہ کیا۔ خونخوار کتا معصوم بکری بنا ڈاک فوڈ کی ضیافت اڑانے میں مصروف تھا۔

—— آؤ۔ نوجوان نے حکم دیا۔

وہ جنت کی خواہش میں کھڑکی سے اتر آئی۔ نوجوان نے اس کے لیے لیموسین کا دروازہ کھولا۔ وہ کار میں قدم رکھنے ہی والی تھی کہ اس کے کانوں میں آواز آئی: نہ جانا۔

اس نے چونک کر دیکھا، پاس ہی سبز درخت کی اوٹ میں سرخ چادر والا دیوانہ کھڑا تھا۔ اس نے گھبرا کر دیوانے کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ دیوانہ مسکرایا: یہ کچھ نہیں سن سکتا اسے کچھ خبر نہیں۔

اس نے نوجوان کو دیکھا: نوجوان دروازہ کھولے ساکت کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں جامد تھیں۔

اس نے پھر فٹ بورڈ کی طرف قدم بڑھایا۔

—— نہ جانا۔ دیوانے نے پھر کہا۔

—— میں شہزادے کی جنت میں جا رہی ہوں۔

—— پھر واپس نہ آپاؤ گی۔

—— تمھیں اس سے کیا؟ وہ بہت خوبصورت ہے، شہزادہ ہے۔

تو پھر میری ایک بات مانو: جب وقت ٹھہر جاتا ہے اور مرتا ہوا لمحہ دوسرے لمحے میں

جنم لیتا ہے، اس لمحے سے پہلے پہلے لوٹ آنا۔

وہ ہنسی۔

—— میں تمھارا انتظار کروں گا۔

وہ اور زور سے ہنسی اور کار میں آکر بیٹھ گئی۔

—— دیوانہ۔

—— کون دیوانہ ؟ نوجوان نے پوچھا۔

—— تم نہیں جانتے۔

اس نے کار کے پچھلے شیشے سے دیکھا۔ اس کے کمرے سے آتی مدھم روشنی میں دیوانہ سبز درخت میں گولڈ مہر کا پھول تھا۔

محل میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ ہر رنگ، ہر نسل کے لوگ تھے۔ گورے چٹے نیلی آنکھوں والے شہزادے نے بڑے فخر سے اس کا استقبال کیا، مہمانوں سے تعارف کرایا۔ اس کے پیر زمین پر نہیں تھے، وہ جنت میں تھی۔ رفتہ رفتہ اس کے کانوں سے آواز غائب ہو گئی تھی۔ اس لمحے سے پہلے پہلے لوٹ آنا جب مرتا ہوا لمحہ دوسرے لمحے میں جنم لیتا ہے۔ وہ بار بار اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھتی تھی۔ شہزادے نے تنگ آکر اس کی گھڑی اتار کے پھینک دی۔ ساتھ ہی وہ آواز مر گئی۔

—— شکریہ۔ اس نے کہا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اس نے سونے کے برتنوں میں کھانا کھایا اور ہیرے جڑے گلاسوں میں پانی پیا۔ اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ پیٹ بھر کے کھانا کھایا۔ اسے کھانے کا نشہ اتنا چڑھا کہ ناچ کے لیے شہزادے کی درخواست پر وہ بمشکل اٹھی۔

ہر راؤنڈ میں شہزادہ اسے سینے کے ساتھ چمٹا لیتا اور وہ بادلوں میں اڑنے لگتی۔ باقی سب شہزادیاں دل ہی دل میں کڑھتی تھیں اور اسے کوستی تھیں۔

ایک راؤنڈ میں شہزادہ اسے سینے سے چمٹائے موسیقی کی لہروں پر بہتا اسے اپنی خواب گاہ میں لے آیا اور وہ دونوں نڈھال ہو کے پروں کے بستر پر گر پڑے۔ شہزادے نے ہاتھ لہرا کر سونے سے بھری طشتریوں کی طرف اشارہ کیا۔ یہ سب تمھاری ہیں۔

—— ہوں! اس نے نیم خوابیدہ آنکھوں سے دیکھا۔

—— اب تمھیں کسی چیز کی ضرورت نہیں رہے گی۔

—— ہوں! اب تم میری ہو۔

جانے شہزادے کو کیا ہوا اس نے اس کا گریبان پکڑ کے جھٹکا دیا۔ اس نے چونک کر دیکھا : شہزادے کے چمکیلے دانت ایک ایک کر کے گرنے لگے۔ وہ گھبرا کے اٹھی۔ شہزادے کا بھیجا ہوا لباس روئی کا تھا۔ شہزادہ دیوانہ وار روئی نوچ رہا تھا۔ وہ اس کے بازوؤں میں کسمسائی۔ عین اسی وقت خواب گاہ کا کلاک چیخا : وقت رک گیا ہے۔ رک گیا ہے۔ لوٹ آؤ۔ لوٹ آؤ۔ بھاگو۔ بھاگو۔ دوسرے لمحے کے پہلے سانس سے پہلے لوٹ آؤ۔

اس نے اپنے آپ کو چھڑاتے ہوئے شہزادے کو دیکھا : شہزادے کے مصنوعی بالوں کی وگ سر سے اتر گئی تھی، اس کی نیلی آنکھیں کرچی کرچی ہو گئی تھیں، اس کے دانت جھڑ چکے تھے۔ صرف کینائنز (CANINES) تھے جن پر خون کی سرخی تھی۔

وہ اس کے پنجوں سے تڑپ کر نکلی۔

—— یہاں سے کیسے جاؤ گی۔

شہزادہ ہنستے ہنستے بستر پر دہرا ہو گیا۔ کلاک اور بھی زور سے چیخا۔ وہ اپنے ستر کو ہاتھوں سے ڈھانپ کر دروازے کی طرف بھاگی۔ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ وہاں اس کی سوتیلی ماں اور بہنیں ہیرے کی جوتیاں پہنے، اس کی طرف بازو پھیلائے کھڑی ہنس رہی تھیں۔ وہ دوسرے دروازے کی طرف بھاگی۔

دوسرا، تیسرا، چوتھا۔ ہر دروازے پر اس کی سوتیلی ماں اور بہنیں بازو بڑھائے اسے پکڑنے کے لیے کھڑی ہیں۔ وہ پاگلوں کی طرح اس جنت میں چکر لگا رہی ہے۔ شہزادے کے قہقہے کلاک کی چیخوں میں الجھے اس کا پیچھا کر رہے ہیں اور وہ ہاتھوں سے ستر چھپائے بھاگ رہی ہے، بھاگ رہی ہے۔